ADVANCE SOCIAL SCIENCE ARCHIVE JOURNAL
Available Online: https://assajournal.com
Vol. 04 No. 02. October-December 2025.Page# 1949-1960
Print ISSN: 3006-2497 Online ISSN: 3006-2500
Platform & Workflow by: Open Journal Systems
https://doi.org/10.5281/zenodo.17706813

Prominent Characterstics of Leadership: An Analytical Study in the Light of Surah Al-Kahf

قیادت کے نمایاں اوصاف:سورہ الکہف کی روشنی میں ایک تحقیقی مطالعہ

Muhammad Asad
National University of Modern languages, Islamabad.
asadraj5556@gmail.com
Dr. Muhsin Ramazan İşsever
Assistant Professor, Istanbul University, Istanbul Turkiye.
muhsinissever89@gmail.com muhsin.issever@istanbul.edu.tr
Dr. Nasurullah Qureshi
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Bahria University Karachi Campus.
nasurullahqureshi.bukc@bahria.edu.pk nasrullah.qureshi@gmail.com

Abstract

This study explores the salient characteristics of political leadership and administrative responsibility in the light of "Surah al-Kahf". By reflecting on the stories of the People of the Cave, Owners of gardens, Musa and Khidr (A.S), and especially Dhul-Qarnayn, it highlights qualities that shape a just and effective leader. The Surah presents humility in learning, patience during complex decisions, fairness in dealing with people, protection of the vulnerable, and reliance on divine guidance as essential traits. It also emphasizes that true leadership is not rooted in power alone, but in wisdom, integrity, and a deep sense of accountability. These insights offer a timeless framework for anyone entrusted with governance or public administration, guiding them toward leadership that uplifts communities and serves humanity with justice and compassion.

Keywords: Leadership Ethics, Quranic Perspective on Leadership, Surah Al-Kahf, Moral and Spiritual Leadership, Analytical Study

1۔تعارف:

قرآن مجید تمام انسانیت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ منبع ہدایت ہے، جس کے ذریعے تمام انسان اپنے مفادات کو مثبت طریقے سے حاصل کرسکتے ہیں۔ارشاد باری تعالی ہے: ﴿ ہُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ ﴾[1] (ترجمہ: (یہ قرآن)انسانوں کے لیے ہدایت ہے اور(اس میں)راہنمائی کرنے والی اور(حق و باطل میں)امتیاز کرنے والی واضح نشانیاں ہیں۔) قرآن مجید میں ہر طبقہ کے لوگوں کو باحسن طریق،زندگی بسر کرنے کے اصول و ضوابط بیان فرمائے گئے ہیں۔ "راہنما" کے امور چاہے وہ "سیاستی یا انتظامی" میادین سے متعلق ہوں قرآن مجید کا مرکزی محور دکھائی دیتے ہیں۔اس سلسلے قرآن مجید کی تعلیمات اور نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی تاریخ اسلام کے عروک کے پس پردہ فکری بنیاد کے طور اہم عامل رہی ہیں۔یہی کسوٹی علامہ اقبال کے نزدیک بھی معیار ترقی ٹھرا ہے:بقول اقبال:

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر اور تم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر

[1] البقرۃ:185

قرآن مجید کا بغور مطالعہ اس بات کا غمازی ہے کہ اس کی مختلف صورتیں "راہنما" کے کئی تربیتی پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہیں، اور خاص طور پر "سورہ الکھف" کا انداز بیاں راہنما کی اعتقادی، فکری، عقلی، معاشی، معاشرتی اور اخلاقی تربیت کے لیے انتہائی اہم ہے۔ سورہ الکھف میں زندگی کے مختلف گوشوں سے متعلق مگر ہدف کے لحاظ سے متحد چار واقعات کا ذکر ہوئے ہیں۔ یہ تحقیق ان واقعات کے مطالعے کے بعد "سیاسی وانتظامی" قائدین کے لیے اہم ترین اوصاف کی تلاش اور ان کے جائزے پر مشتمل ہے۔

موضوع تحقیق سے متعلق موجودہ کام کا جائزہ:

اس موضوع سے متعلق شایع شدہ تحقیقات کا جائزہ لیا جائے تو بعض پہلوؤں پر جزوی تحقیقات منعقد ہو چکی ہیں۔ جن کی تفصیل اور تجزیہ درج ذیل ہے:

1. العلم التعلّم والتعليم في قصة موسى والخضر عليهما السلام من سورة الكهف یہ مقالہ عربی زبان میں ہے، محترم عمدۃ نے لکھا اور یہ ایم فل سطح کا مقالہ ہے جو انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد کی جانب سے 2021 میں پیش ہوا۔ یہ مقالہ درس وتدریس سے متعلق قصہ موسی اور خضر علیہما السلام سے مستنبط ہدایت پر مشتمل ہے۔

2. **اسلام کا تصور قیادت:** یہ مقالہ اردو زبان میں ہے، محترم حسن رضا نے ایم اے کی سند کے لیے لکھا۔ یونیورسٹی آف پنجاب میں 2023 میں پیش ہوا۔ سابقہ تحقیق کی طرح اس میں سورہ الکھف بطور خاص شامل نہیں۔

3. **سیرت طیبہ کی روشنی میں اسلامی مملکت میں قیادت کی ذمہ داریاں:** ایک تجزیاتی مطالعہ: طیبہ رزاق، محی الدین جرنل آف اسلامک اسٹڈیز 1، 2023 میں شایع ہوا۔ یہ مقالہ سیرت طیبہ کے تناظر میں قائدین کی حکومتی ذمہ داریوں کے موضوع پر لکھا گیا ہے۔ اس میں قائدین کے امور سلطنت سے متعلق امور کی اہمیت پر ترکیز کی گئی ہے ،اس مقالہ میں سورہ الکھف میں مذکور سیاسی راہنما کے اوصاف اور منتظمین کی ذمہ داریوں کو موضوع نہیں بنایا گیا ہے۔

4. **اسلامی تعلیمات میں اعلی قیادت کے لیے مقرر شرائط وضوابط کا جائزہ:** ڈاکٹر نگہت اکرم، ڈاکٹر فوزیہ بتول، الایقاظ تحقیقی جرنل 2، 2022 میں شایع ہوا۔ یہ مقالہ اسلامی تعلیمات میں اعلی قیادت کے لیے مقرر شرائط وضوابط قرآن وسنت کی روشنی میں وضع کیا گیا ہے، ان شرائط میں تقویٰ، عدل، دیانتداری، حکمت، اور شجاعت جیسی خصوصیات شامل ہیں۔ اس میں سورہ الکھف کی روشنی میں بطور خاص سیاسی راہنما کے اوصاف اور منتظمین کو موضوع نہیں بنایا گیا ہے۔

5. انگریزی زبان میں تحریر شدہ مقالہ **An Analysis of the Economic Dimensions of Entrepreneurship in Surah Al-Kahf** جسے **داھر السیر یگر اور رضا نورال نے تحریر کیا ہے۔ یہ مقالہ** Jurnal Ekonomi dan Keuangan Syariah میں سن 2024ء میں شایع ہوا۔ یہ مقالہ سورہ الکھف میں انٹرپرینیورشپ کی اقتصادی جہتوں کے تجزیہ پر لکھا گیا ہے، اس مقالہ میں سیاسی راہنما کے اوصاف منتظمین کو بیان نہیں کیا گیا ہے۔

درج بالا تحقیقات کے پیش نظر یہ رائے قائم کی جاسکتی ہے کہ سورہ کہف سیاسی اور انتظامی پہلوؤں پر تحقیقات منعقد نہیں ہوئیں حالانکہ یہ پہلوں سورہ کے چار قصص میں نمایاں نظر آتا ہے۔ دوسری طرف عصر حاضر کے سیاسی اور انتظامی اُمور امت مسلمہ کے اکثر مسائل کے پس پشت ایک اہم منفی عامل گردانے جاتے ہیں۔ یہ تحقیق ان عوامل کے درست اور مستند ادراک حاصل کرنے میں ممد ومعاون ثابت ہوگی اور سیاسی اور انتظامی معاملات سے وابسطہ افراد کے لیے ایک لائحہ عمل اور نصب العین بنی رہے گی۔

2۔ تعارف اور اہم مضامین سورت

الف: سبب اور زمانۂ نزول: علامہ ابن جریر طبری نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اس سورہ مبارکہ کا شان نزول یہ بیان ہے جس کا تذکرہ امام واحدی نے اپنی کتاب اَسباب نزول القرآن میں بھی کیا ہے کہ مکہ کے کچھ سرداروں نے دو آدمیوں کو مدینہ منورہ کی جانب روانہ کیا، وہاں کے یہودی علماء کی رائے رسول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوی نبوت کے بارے میں کیا ہے؟ (یہ علما تورات اور انجیل کا علم رکھنے والے تھے) جس پر ان یہودی عالموں نے کچھ سوالات بیان کیے اور کہا یہ سوالات محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کرنا اگر وہ اس کا صحیح جواب دے دیں تو وہ سچے رسول ہیں۔ اور اگر وہ درست جواب نہ دے سکے تو سمجھ لینا ان کا دعوی نبوت صحیح نہیں ہے۔ انہوں نے تین سوالات بیان کیے جس میں پہلا سوال یہ تھا: ان نوجوانوں کا واقعہ کیا تھا جو کسی زمانے میں شرک کی وجہ سے اپنا شہر چھوڑ آئے تھے اور ایک غار میں پناہ لے لیے تھے؟ دوسرا سوال یہ تھا: وہ شخص جس نے مشرق ومغرب، پوری دنیا کا سفر کیا تھا اس کے بارے میں بتائیں؟ تیسرا سوال یہ تھا: روح کی کیا حقیقت ہے؟ چناچہ یہ دونوں شخص مکہ واپس آئے اور اپنے قرابت داروں سے یہ سوالات بیان کیے اور پھر رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے حضور یہ تیونوں سوالات پیش کیے جس کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی۔[2]

[2] الشافعي، أبو الحسن علي بن أحمد بن محمد بن علي الواحدي، النيسابوري، أسباب نزول القرآن، (الناشر: دار الإصلاح-الدمام الطبعة: الثانية، 1412 ھ) ص: 291-292

زمانہ نزول کے پیش نظر جب قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تحریک اور جماعت کو دبانے کے لیے زیادہ تر تضحیک، استہزاء، اعتراضات، الزامات، تخویف، اطماع اور مخالفانہ پروپیگنڈے پر اعتماد کر رکھا تھا، مگر اس سے بڑھ کر انھوں نے ظلم وستم، مار پیٹ اور معاشی دباؤ کے ہتھیار پوری سختی کے ساتھ استعمال کیے، یہاں تک کہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو ملک چھوڑ کر حبش کی طرف نکل جانا پڑا، اور باقی ماندہ مسلمانوں کو اور ان کے ساتھ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کو شعب ابی طالب میں محصور کر کے ان کا مکمل معاشی اور معاشرتی مقاطعہ کر دیا گیا۔ تاہم اس دور میں دو شخصیتیں ابو طالب اور اُم المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ ایسی تھیں جن کے ذاتی اثر کی وجہ سے قریش کے دو بڑے خاندان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پناہی کر رہے تھے۔ 10 نبوی میں یہ دونوں رسول اللہ کے حمایتی واصل باللہ ہوئے اور یہ دور ختم ہو گیا، جس کے بعد مسلمانوں پر مکہ کی زندگی تنگ کر دی گئی۔ یہاں تک کہ آخر کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سمیت تمام مسلمانوں کو مکہ سے نکل جانا پڑا۔ سورہ الکہف کے مضمون پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سورہ مبارکہ اس دور کے آغاز میں نازل ہوئی ہو گی جب کہ ظلم و ستم اور مزاحمت نے شدت تو اختیار کر لی تھی، مگر ابھی ہجرت حبشہ واقع نہ ہوئی تھی۔ اس وقت جو مسلمان ستائے جا رہے تھے ان کو اصحاب الکہف کا قصہ سنایا گیا، تا کہ ان کی ہمت بندھے اور انھیں معلوم ہو کہ اہل ایمان اپنا ایمان بچانے کے لیے اس سے پہلے کیا کچھ کر چکے ہیں۔

ب: وجہ تسمیہ: کے پیش نظر دیکھا جائے تو"کہف" عربی لغت میں "غار" کو کہتے ہیں جو کسی پہاڑ میں واقع ہو، اور"اصحاب کہف" سے مراد "غار میں پناہ لینے والے" افراد ہیں، اسی لفظ"غار" کے نام پر اس سورہ مبارکہ کو۔"سورۃ الکہف" کہتے ہیں۔

ج: سورت کے مشتملات: یہ سورہ مبارکہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔ قرآنی سورتوں کے اعداد کے مطابق"سورہ الکہف" 18 آٹھارویں سورت ہے، جو کہ 110 آیات پر مشتمل ہے۔ سورت کے مضامین کی بات کی جائے تو اس سورہ مبارکہ میں چار واقعات کا ذکر ہوا ہے جس میں اصحاب کہف، صاحب الجنتین، حضرت موسی و خضر علیہ السلام اور ذوالقرنین کے قصص شامل ہیں۔ صاحب الجنتین کا واقعہ بالواسطہ جبکہ باقی ماندہ تین واقعات اس سورہ میں سیاسی وانتظامی امور میں بلاواسطہ راہنمائی کر رہے ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل میں پیش کی گئی ہے۔

2۔ قصہ اصحابِ کہف سے سیاسی راہنما کے اوصاف

یہ قصہ چند مضبوط ایمانی قوت کے حامل نوجوانوں کا ہے۔ جنہیں نوجوانان کہف والرقیم سے جانا جاتا ہے اور قرآن مجید میں "فِتْيَةٌ"[3] سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ قصہ اس سورہ مبارکہ کی آیت نمبر 9 سے 22 تک ذکر ہوا ہے۔ یہ چند نوجوانوں کا گروہ جنہیں قوانین فطرت سے آگہی اور وصول حق کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے اور ارد گرد کے جاہل لوگوں سے حفاظت ایمان کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے اہل وعیال اور شہر کو چھوڑ کر ویران پہاڑی پر واقع ایک غار میں پناہ لینے کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں، ایک کتا بھی انکے شامل کارواں ہو جاتا ہے اور بالآخر انہیں تین سو نو سال (قمری) نیند طاری ہو جاتی ہے۔[4]

أ- یقین اور مضبوط ایمان سے حقیقی کامیابی

زندگی میں عرصہ جوانی اس لیے بھی اہمیت کی حامل ہے کہ اس عرصہ میں انسان کی سوچ و فکر اور عقل و خرد مختلف مراحل تعلیم و تربیت سے گذر کر پروان چڑھتے ہیں اور نتیجتاً راہنما ایک ایسے عقیدہ کا حامل ہو جاتا ہے جسے وہ تمام امور زندگی میں سامنے رکھ کر اپنے زیر اثر لوگوں کی زندگیوں کے اہم فیصلے کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَّ رَبَطۡنَا عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ اِذۡ قَامُوۡا فَقَالُوۡا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ لَنۡ نَّدۡعُوَا۠ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اِلٰـہًا لَّقَدۡ قُلۡنَاۤ اِذًا شَطَطًا○﴾[5]

ترجمہ: اور ہم نے ان کے دل خوب مضبوط کر دیے تھے۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب وہ اٹھے، اور انہوں نے کہا کہ: ہمارا پروردگار وہ ہے جو تمام آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔ ہم اس کے سوا کسی کو معبود بنا کر ہرگز نہیں پکاریں گے۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو ہم یقینا انتہائی لغو بات کہیں گے۔

[3] الکہف: 13

[4] برهامي، الشيخ ياسر بن حسين، القصص القرآني، (س ن)، ج9، ص2

[5] سورہ الکہف: 14

ربطنا کا لفظ مضبوطی اور دل میں رسوخ کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ یہی خصوصیت آیت نمبر 15 میں ان لوگوں کے ممتاز وصف کے طور پر اللہ نے بیان کی ہے۔ جاننا چاہیے کہ عقیدہ، ایمان اور کسی بھی چیز پر پختہ یقین پر چونکہ دنیا و آخرت میں کامیابی کا دارو مدار ہوتا ہے اس لیے اس قصہ اصحاب کہف میں سب سے پہلے اس عقیدے کو درست رکھنے کا اصول بتایا گیا ہے اور یہ عقیدہ ہی تھا جس کی وجہ سے ان مال دار نوجوانوں نے اپنا مال و دولت اور اہل عیال چھوڑا۔ اس بات سے معلوم ہوا کہ کامیابی اور ناکامی کی اساس اور میزان مضبوط عقیدہ ہے۔ کسی لیڈر میں خودی اور خدا پر یقین ہی قوم کو بہتری اور نجات کی طرف لیجانے کا پہلا قدم ہو سکتا ہے جیسا کہ اصحاب کہف کے لیڈر نے کیا۔

مضبوط اور عقل کے ساتھ مربوط ایمان و یقین حاصل کرنے کے بعد اپنے اور اپنے متبعین کے ایمان کی ہر قیمت پر حفاظت کے لیے کوشاں رہنا اس ضمن میں ایک اہم ذمہ داری کے طور پر سامنے آتی ہے۔ قائدین بحیثیت عبد اور بندہ فقط اپنے ایمان کی حفاظت میں کوشاں رہیں اور یہی فکر لاحق ہونی چاہیے۔ اس لیے انسان کو ذہنی طور پر راہ حق پر چلتے ہوئے ہر وقت، ہر طرح کی قربانی دینے کے لیے تیار رہنا چاہیے اور عقیدہ کی حفاظت کے عملی نمونہ کے اظہار کے لیے کسی بھی بڑی سے بڑی قوت کے سامنے ڈٹ جانا چاہیے۔ اور سب سے پہلے اچھے انداز سے دشمنان حق کو دعوت حق پیش کی جائے اور اس طریقہ سے مسئلہ حل نہ ہو سکے اور دفاعی قوت بھی دستیاب نہ ہو تو لا محالہ اللہ کی پیدا کردہ وسیع زمین میں حفاظت ایمان کے لیے اصحاب کہف کی طرح نکل جانے میں کوئی قباحت نہیں بلکہ "ہجرت" سنت انبیاء ہے۔[6]

ب- حلال رزق سے متعلق اوصاف

جس طرح غذا انسانی جسم کی توانائی کا ذریعہ ہے ایسے ہی حلال غذا نیک اعمال کو توانائی پہنچاتی ہے جبکہ حرام برائی اور خباثت کا باعث بنتی ہے، لہذا طیب کھانے کا اہتمام ایک راہنما کی بنیادی صفات میں سے ہے۔ انسان اپنے بچپن کے دنوں سے جوں ہی شباب جوانی میں پہنچتا ہے، وہ جسمانی طور پر اپنے پاؤں پر کھڑا تو ہو سکتا ہے، لیکن معاشی و مالی طور پر بھی وہ کسی کی محتاجی کو باعث عار و شرم محسوس کرتا ہے، اور بالآخر اسباب معاش کے حصول میں کوشاں ہو جاتا ہے۔ ہم اگر اپنے معاشرے کا اصحاب کہف سے تقابل کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے پاس جائز وسائل ہوتے ہوئے بھی ناجائز کی طرف دوڑتے رہتے ہیں۔ قائد اصحاب کہف نے معاشرے کے ظلم، سختیوں اور قریباً تین سو سال کی بھوک و پیاس کے باوجود کھانا لے آنے والے شخص کو "اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا"[7] کی تاکید کی جو معنی خیز ہے کہ اللہ کے بندوں کو بھوک و پیاس کی کتنی ہی شدت ہو لیکن وہ اس وقت بھی "اَزْكٰى طَعَامًا" کا نعرہ بلند کرتے ہیں اور یہ درس دیتے نظر آتے ہیں کہ فقط لقمہ حلال ہی سے اچھی اور پائیدار تربیت ممکن ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

بھوک کی شدت کے باوجود قائد کہف نے "برِزْقٍ مِّنْهُ"[8] کی تاکید کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پاک کھانا خریدتے وقت اس رزق سے (بقدر حاجت) کچھ خریدنے (اور دوسروں کے لیے کچھ بچانے) کی تلقین کی گئی ہے۔ سخت حالات اور قوت خرید کے باوجود بقدر حاجت رزق خریدنے سے مفہوم مخالف کے پیش نظر معلوم ہوتا ہے کہ سخت سے سخت حالات میں بھی ذخیرہ اندوزی کرنا قابل تنکیر ہی رہے گا۔[9] تیسرا پہلو یہ بھی سامنے آتا ہے کہ خریداری کرتے وقت اپنی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے مال و دولت کو بچایا فقط کھانے پینے پر خرچ نہ کیا جائے۔

ج- نرمی اور حسن سلوک متبعین میں اضافہ کا سبب

ایک قائد کی ہر وقت یہ جستجو رہتی ہے کہ تعداد کے لحاظ سے اس کے متبعین بڑھ جائیں۔ جب اصحاب کہف تین صدیاں قبل شہر سے ہجرت کر گئے تھے، اس وقت تمام لوگ عقائد اور نظریات کی بنیاد پر ان کے سخت مخالف تھے، لیکن شدت بھوک کے باوجود ان صالح نوجوانوں کا سردار خرید و فروخت میں نرم رویہ اور اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیتے ہوئے کہتا ہے کہ کھانا پاک ہو، دوسرے بقدر حاجت ہو، اور تیسرا یہ کہ "وَلْيَتَلَطَّفْ"[10] یعنی ان لوگوں کے ساتھ کھانا خریدتے وقت اچھا سلوک کرے[11] اور

[6] ابن كثير، أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي، تفسير القرآن العظيم، المحقق: سامي بن محمد السلامة، (الناشر: دار طيبة للنشر والتوزيع، الرياض- السعودية الطبعة: الثانية، 1420 ه-)، ج3، ص132

[7] سورہ الکہف: 19

[8] الکھف: 19

[9] الزحيلي، وهبة، كتب، دمشق: دار الفكر، الطبعة الأولى، 2001ء، ج2، ص1413

[10] الکھف: 91

[11] الکھف: 91

لطف واحسان سے پیش آئے کہ ممکنہ طور پر حالات کی بہتری نرم رویے سے لائی جاسکتی ہے۔ لطیف اور نرم گفتگو کے ذریعے سے ہی مخالفین کے قلوب کو مائل الی الحق کیا جاسکتا ہے۔ یہی رویہ نبی اکرم ﷺ کا بھی تھا جس طرف قرآن مجید میں "لو كنت فظا غليظ القلب"[12] کہہ کر اعلان کیا گیا کہ سخت لوگوں سے لوگ منحرف ہو جاتے ہیں جبکہ نرم مزاج ہوگوں کے متبعین "انا اعطيناك الكوثر "[13] کے مصداق بہت زیادہ ہو جاتے ہیں۔

د- ساتھیوں کی قدر اور عزت کرنا

جس طرح اصحاب کہف نے ایک ایسے جانور کو اپنی معیت میں رکھا جسے عمومی طور پر معیوب اور نجس سمجھا جاتا ہے، لیکن معاشرے کے تمام الزامات کے باوجود اس نے صفت "وفاداری" کا اظہار کیا اور ان نوجوانوں کا ساتھ دیا تو عند اللہ معزز قرار پایا، اور کلام اللہ میں اس کا ذکر ابدی ہو گیا۔ ایک کتے کا ذکر نصیحت آموز بن گیا۔ یہی درس اصحاب کہف کے قصہ کے بعد نبی کریم اللہ السلام کے توسط سے امت کو واضح الفاظ میں دیا گیا: چناچہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَ اصۡبِرۡ نَفۡسَکَ مَعَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَدٰوۃِ وَ الۡعَشِیِّ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡہَہٗ وَ لَا تَعۡدُ عَیۡنٰکَ عَنۡہُمۡ ۚ تُرِیۡدُ زِیۡنَۃَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۚ وَ لَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَہٗ عَنۡ ذِکۡرِنَا وَ اتَّبَعَ ہَوٰىہُ وَ کَانَ اَمۡرُہٗ فُرُطًا﴾[14]

ترجمہ: اور اپنے آپ کو استقامت سے ان لوگوں کے ساتھ رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو اس لیے پکارتے ہیں کہ وہ اس کی خوشنودی کے طلبگار ہیں۔ اور تمہاری آنکھیں دنیوی زندگی کی خوبصورتی کی تلاش میں ایسے لوگوں سے ہٹنے نہ پائیں۔ اور کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے، اور جو اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا ہوا، اور جس کا معاملہ حد سے گذر چکا ہے۔

اس ارشاد ربانی کے نزول کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غریب و کمزور اصحاب کے ساتھ اور زیادہ محبت کرنے لگے، جن کے ساتھ کفار مکہ کے سردار بیٹھنا بھی اپنی شان کے لائق نہیں سمجھتے تھے۔ اور ایک قول کے مطابق یہ آیت اصحاب صفہ کے لیے نازل ہوئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے نزول پر شکر بجالاتے ہوئے کہا: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے میری امت میں ایسے لوگ (اہل صفہ) بنائے جن کے ساتھ بیٹھنے کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور امت کو باور کرایا گیا کہ حق کا کوئی سپاہی بھی ادنی نہیں ہوتا بلکہ وہ لائق صد تکریم واحترام ہوتا ہے۔[15]

خلاصہ یہ کہ ایک قائد کا یقین کامل کے بعد اہم ترین اثاثہ اس کے متبعین ہوتے ہیں جنہیں کسی بھی سطح پر منتشر نہیں کرنا چاہیے بلکہ جوڑ کر رکھنا انتہائی ضروری ہے۔

تنظیمی ذمہ داریوں کی بھرپور ادائیگی

معاشرے میں کسی بھی کام کو احسن انداز میں سرانجام دینے کے لیے تنظیم وانجمن کی بنیاد رکھی جاتی ہے تاکہ وہ اپنے اجتماعی ہدف تک جلد اور منظم انداز میں پہنچ سکیں۔ اصحاب کہف کے قصہ میں یہ درس دیا گیا ہے کہ گروہی انداز سے کام کرنے کے لیے ہر ایک فرد کو اپنے اجتماعی مقاصد کے حصول کے لیے لازمی طور پر (مالی وجانی) قربانی دینا ناگزیر ہے۔ اور اگر کسی ایک پر کوئی ذمہ داری سونپی جائے، تو اسے چاہیے کہ وہ انکار کرنے کی بجائے اس ذمہ داری کو احسن انداز سے پایہ تکمیل تک پہنچائے، اور انفرادی مقاصد واہداف کو قربان کر کے اجتماعی مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اسی بات کو الکہف:19 میں بیان کیا گیا ہے کہ اس نوجوانوں کے گروہ نے ایک فرد کو ان سخت حالات میں دشمنوں کے درمیان جاکر کھانا خریدنے کی ذمہ داری سونپی اور اس نے بلا جھجک اسے قبول کیا اور تنظیمی امور میں اجتماعی مقاصد کو اہمیت واولیت دی۔ اس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ع- فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں۔

مبحث دوم: اصحاب الجنتین کے قصہ سے مستفاد سیاسی راہنما کے اوصاف:

اصحاب کہف جیسے واقعات تو دنیا میں خال خال ہی نظر آتے ہیں جس کی اہم وجہ اخلاقی وایمانی کمزوری ہوتی ہے کیوں کہ ایسے لوگ جو حق آشنا، عالی ہمت اور بلند حوصلہ رکھتے ہوں شاذ و نادر ہی پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن "دو باغوں والے" شخص جیسے واقعات تقریباً روزانہ ہمارے مشاہدے میں آتے ہیں۔ اس لیے اصحاب کہف کے قصہ کے بعد کچھ وعظ و نصیحت کے بعد دو باغوں والے کا قصہ بیان کیا گیا ہے جو آیت نمبر 32 سے 44 تک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے (بنی اسرائیل کے دو بھائیوں) کی خبر دی جو اپنے باپ کی

---

[12] آل عمران:159

[13] الکوثر:1

[14] الکھف:28

[15] ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، ج3، ص143

طرف سے مال کثیر کے وارث ہوئے تھے۔ حضرت ابن عباس کے قول کے مطابق کہ وہ آٹھ ہزار دینار کے وارث تھے۔ [16] ان دو میں سے ایک مومن تھا اس نے اپنا حق وصول کیا اور اس کو اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اس کی راہ میں خرچ کر دیا۔ دوسرا کافر تھا اس نے اپنا حق وصول کیا اور اس سے دو باغ بنا لیے جو ہر لحاظ سے رومانوی اور دل مولینے والے مناظر پیش کرتے تھے۔ اور راہ خدا میں کچھ بھی خرچ نہ کیا۔ بعد میں ان دونوں بھائیوں کے درمیان مکالمہ ہوتا ہے۔ جس میں ایک طرف مال دار اپنے مال واسباب پر تکبر و غرور اور اپنا استحقاق جانتے ہوئے غریب (بھائی) کو کمتر جانتا ہے۔ جبکہ صاحب ایمان مگر غریب (بھائی) اسے وعظ و نصیحت کرتے ہوئے انسان کی مٹی و نطفہ سے پیدائش اور یوم آخرت یاد دلاتا ہے۔ لیکن وہ ان تمام کا کفر کرتے ہوئے غرور و تکبر سے کہتا ہے کہ اگر قیامت واقع بھی ہوئی تب بھی مجھے اچھی جگہ رکھا جائے گا۔ جب وہ باغ میں داخل ہوتا ہے تو وہ باغ تباہ و برباد ہو جاتے ہیں اور اسے اپنا مال اور نوکر چاکر کچھ کام نہ آئے اور افسوس کرتا رہا۔[17]

3۔ سیاسی راہنما کے لیے اس قصہ میں بیان کردہ اصول و اوصاف:

اس قصہ میں اللہ تبارک و تعالی نے قائدین میں، مال و دولت کی کثرت و کمی کی وجہ سے پیدا ہونے والی اخلاقی، معاشی اور معاشرتی بیماریوں کا علاج کرتے ہوئے انسانی سوچ و فکر کو درج ذیل اصول و اوصاف کی جانب متوجہ کرایا ہے کہ:

أ- دنیاوی طاقت: نعمت، استدراج یا استحقاق

اللہ تعالیٰ نے اس مال دار کو دنیا میں مال کسی استحقاق کی وجہ سے نہیں عطا فرمایا تھا بلکہ استدراج[18] کے طور پر عطا فرمایا، اور جتنے کافروں کو جو نعمتیں اللہ تعالی دیتا ہے، وہ بطور استدراج ہی ہوتی ہیں: ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ﴾ [19] یعنی وہ نعمتیں ان کے لیے آزمائش ہوتی ہیں جن کی وجہ سے وہ دھوکے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مال و دولت، اہل و عیال سب اللہ کی عطا کردہ نعمتیں ہیں ان کے حصول پر ہمارا کوئی کمال نہیں۔ لہذا جو نعمتیں دینے پر قادر ہے وہ نعمتیں واپس لینے پر بھی اسی طرح قادر ہے۔ جس طرح اس مثال میں مؤمن شخص اپنے مغرور ساتھی کو سمجھاتے ہوئے کہتا ہے:

﴿وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِنَ السَّمَاءِ فَتُصْبِحَ صَعِيدًا زَلَقًا○ أَوْ يُصْبِحَ مَاؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيعَ لَهُ طَلَبًا○﴾[20]

ترجمہ: بعید نہیں کہ (اللہ، منعم حقیقی) تمہارے باغ پر آسمان سے کوئی عذاب بھیج دے تو وہ چٹیل چکنا میدان بن جائے۔ یا اس کا پانی زمین میں دھنس جائے پھر تم اس کو ہرگز تلاش نہ کر سکو۔

دو بھائیوں کے اس قصے سے یہ بھی وصف قائد معلوم ہوتی ہے کہ کثرت اموال و افراد یا متبعین کی زیادتی کبھی بھی بڑائی یا حقیقی کامیابی کا معیار نہیں ہو سکتے۔ نہ ہی دنیا میں حصول مال و اسباب ہی کامیابی کا میزان ہیں بلکہ ان کا صحیح طریقہ سے حصول حق کی ادائیگی کرتے ہوئے جمع آوری اور ان کا درست استعمال کرنا بھی لازم ہے ۔[21]

2. خود پسندی اور تذلیل غیر سے پرہیز

جس طرح اس قصے میں امیر بھائی نے غریب بھائی کی تذلیل کی یہاں تک کہ تکبر کی طرف گامزن ہو گیا نتیجتا تباہی و بربادی کا سامنا کیا۔ جاننا چاہیے کہ تکبر، خود پسندی اور ان کے نتیجے میں ظاہر ہونے والا دیگر افراد کی تذلیل پر مبنی رویہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ نہیں۔ البتہ بندے کی طرف سے تکبر کا اظہار ناپسندیدہ ترین امور میں سے ہے۔ یہی عادت شرک کی طرف لے جاتی ہے۔ اور شرک مع تمام اقسام ممنوع و مذموم اور موجب سزا اور عتاب ہے۔

---

[16] الماوردي، أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري البغدادي، الشهير، تفسير الماوردي، المحقق: السيد ابن عبد المقصود بن عبد الرحيم، (الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت / لبنان، س ن)، ج3، ص306

[17] اليمني، محمد بن علي بن محمد بن عبد الله الشوكاني، فتح القدير، (الناشر: دار ابن كثير، دار الكلم الطيب - دمشق، بيروت الطبعة: الأولى - 1414 ه-)، ج6، ص339 تا 340

[18] الجلالي، د. عبد الله بن حمد، دروس للشيخ عبد الله الجلالي، (مصدر الكتاب: دروس صوتية قام بتفريغها موقع الشبكة الإسلامية، س ن)، ج44، ص5

[19] الاعراف: 182

[20] الكهف: 40، 41

[21] الطبری، أبو جعفر، محمد بن جرير الطبري، جامع البيان عن تأويل آي القرآن، ج23، تفسير سورة الواقعة، المكتبة الشاملة

قائدین کو چاہیے کہ وہ ہر وقت اللہ تبارک و تعالی کا شکر گزار بن کر رہیں اور اس کی تسبیح و تہلیل سے رطب السان رہیں۔ اپنے آپ کو اللہ اور اسکی قدرت تامہ کے سامنے عاجز ولاچار جانیں اور کسی بھی طرح اسکی ہمسری وبرابری کرنے سے گریزاں رہیں چاہے ظاہری ہو یا مخفی، کیوں کہ مال دار کا تکبر و غرور کی وجہ سے اللہ کی قدرت کا انکار کرنا اور یہ کہنا: ﴿اَنَا اَكۡثَرُ مِنۡكَ مَالًا وَّ اَعَزُّ نَفَرًا﴾[22] (ترجمہ: جس شخص کے پاس پھل تھے اس نے اپنے ساتھی سے بحث کرتے ہوئے کہا میں تم سے زیادہ مال دار ہوں اور میرے پاس بہت آدمی ہیں۔)

اس کے ساتھ ساتھ اس اللہ کی مخلوق بطور خاص غریبوں کی تذلیل نہ کرنا اور نہ ہی انہیں احساس محرومی کا شکار بنانا، بلکہ زیادہ مال ہو تو ان لوگوں کی امداد کریں اور اللہ کا شکر بجالائیں اور نعمت کا صحیح استعمال کریں۔ لوگوں کی تذلیل کو متصل آیات میں ظلم [23] یعنی سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس قسم کے تکبر کو علماء و مفسرین نے موجب عذاب الٰہی قرار دیا ہے۔ پس اہل مال و متاع کو ہمیشہ خبردار رہنا چاہیے۔

مبحث سوم: قصہ حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام سے سیاسی راہنما کے اوصاف:

یہ قصہ اصحاب کہف کی طرح تفصیلاً بیان ہوا ہے جو آیت نمبر 60 سے 82 تک ہے۔ اس میں دوران "تعلم، معلّم و متعلّم کے درمیان تعلق کو اجاگر کیا گیا ہے جس سے حصول علم کی اساس اور اپنا موقف پیش کرنے کے قواعد وضوابط اخذ کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ سفر علم اپنے اندر کئی ضمنی تربیتی پہلو سموئے ہوئے ہے جنہیں یہاں مختصراً پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے نوجوان شاگرد خاص کے ساتھ، حضرت خضر علیہ السلام کی طرف سفر علم کے لیے روانہ ہوئے اور مجمع البحرین پر ملاقات کے بعد نئے علمی سفر کا آغاز کیا۔ جس میں تین امور میں ان کے درمیان علمی اختلاف ہوا جو وجہ فراق بنا۔ اور آخر میں حضرت خضر علیہ السلام ان امور کی حقیقت و حکمت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے واضح کرتے ہیں۔[24]

3۔ سیاسی راہنما کے لیے اس قصہ میں بیان کردہ اصول و اوصاف:

تنظیمی ذمہ داریوں سے وابسطہ، حصول علم عصر حاضر کا ایک اہم موضوع ہے۔ اس قصہ سے راہنما سے متعلق درج ذیل اصول و اوصاف سامنے آتے ہیں جنہیں تدریس و تحصیل علوم میں بروئے کار لاتے ہوئے کامیابی سے ہم کنار ہو سکتے ہیں۔

أ- تعلیم و تربیت میں تکبر سے احتراز

اس قصہ میں اللہ تعالیٰ نے تعلیمی میدان میں سرگرداں راہنما کو یہ درس دیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے بہت برگزیدہ اور اولوالعزم نبی تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت علم بذریعہ وحی عطا فرمایا تھا، کثیر معجزات دیئے تھے اور بہت عزت اور وجاہت عطا فرمائی تھی، اس کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حصول علم کی غرض سے حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جانے میں عار محسوس نہیں کی[25] ، قائدین اپنا محاسبہ کریں اور اپنے علم کی حقیقت کو جانتے ہوئے جو صرف حواسِ خمسہ کے ذریعے محدود ہے، اور اس علم کو حاصل کرنے کے بعد اپنے آپ کو بڑا عالم وراہنما سمجھتے ہوئے مزید حصول علم سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوں، یہ مذموم صفت ہے۔ جس طرح امراء قریش نے تکبر کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور فقراء مسلمین کے ساتھ علم ربانی سے گریز کیا اور آپ علیہ السلام کی مجلس علم میں بیٹھنے سے انکار کر کے اپنا ہی نقصان کیا۔[26]

---

[22] الکھف: 34

[23] الطبری: جامع البیان، ج18، ص22، المکتبہ الشاملہ

[24] عثمانی، شفیع، معارف القرآن، (کراچی،: مکتبہ معارف القرآن، 2008ء)، ج5، ص606 تا609

[25] رازی، أبو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسن بن الحسين التيمي الرازي الملقب بفخر الدين الرازي خطيب الري، مفاتيح الغيب = التفسير الكبير، (الناشر: دار إحياء التراث العربي – بيروت الطبعة: الثالثة – 1420 هـ)، ج، 21، ص484

[26] ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، ج3، ص143

ب- حصول علم نفسیاتی اور جسمانی مشقتیں اٹھانا

علم چونکہ نور کی مانند ہے اور اس قصہ میں اللہ کے اولوالعزم نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے راہِ علم میں طویل سفر کر کے ہمیں یہ سبق دیا ہے کہ آپ کے پاس جتنا بھی علم ہے وہ کم ہے اور زیادہ علم حاصل کرنے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہنا چاہیے اور حصول علم میں اپنی "انا" کو ختم کرتے ہوئے ہر انسان سے حصولِ علم کے لیے تیار رہنا چاہیے:

﴿وَ اِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِفَتٰىہُ لَاۤ اَبۡرَحُ حَتّٰۤی اَبۡلُغَ مَجۡمَعَ الۡبَحۡرَیۡنِ اَوۡ اَمۡضِیَ حُقُبًا○ فَلَمَّا بَلَغَا مَجۡمَعَ بَیۡنِہِمَا نَسِیَا حُوۡتَہُمَا فَاتَّخَذَ سَبِیۡلَہٗ فِی الۡبَحۡرِ سَرَبًا○﴾[27]

ترجمہ: اور (اس وقت کا ذکر سنو) جب موسیٰ نے اپنے نوجوان (شاگرد) سے کہا تھا کہ: میں اس وقت تک اپنا سفر جاری رکھوں گا جب تک دو سمندروں کے سنگھم پر نہ پہنچ جاؤں، ورنہ برسوں چلتا رہوں گا۔ چنانچہ جب وہ ان کے سنگھم پر پہنچے تو دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے، اور اس نے سمندر میں ایک سرنگ کی طرح کا راستہ بنا لیا۔

ج- علم اور حکمت میں تفاوتِ مراتب کو قبول کرنا

درس و تدریس کے ماحول میں اختلافات کا ہونا ایک عام بات ہے مگر اس اختلاف کی وجہ سے کوئی نفرت پیدا نہ ہو اس بات کا خیال بے حد ضروری ہے:

﴿وَ کَیۡفَ تَصۡبِرُ عَلٰی مَا لَمۡ تُحِطۡ بِہٖ خُبۡرًا○ قَالَ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ صَابِرًا وَّ لَاۤ اَعۡصِیۡ لَکَ اَمۡرًا○﴾[28]

ترجمہ: اور جن باتوں کی آپ کو پوری پوری واقفیت نہیں ہے، ان پر آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں؟ موسیٰ نے کہا: ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے، اور میں آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔

حضرت موسیٰؑ کے پاس شریعت اور ظاہری علم تھا، جبکہ حضرت خضرؑ کے پاس باطنی علم اور حکمت تھی، جو ظاہر کے پیچھے پوشیدہ حقیقتوں کو سمجھتے تھے۔ سیاسی قیادت کے لیے یہ ضروری ہے کہ ایک راہنما (سرپرست) اپنے علم کو حتمی نہ سمجھے اور اپنی ماتحتی میں کام کرنے والوں کے علم و تجربے کی قدر کرے۔ اختلافات کو قبول کرتے ہوئے ان سے سیکھنا ضروری ہے۔

د- صبر و تحمل اور اس کی اہمیت کو مدنظر رکھنا:

سرپرست اور زیردست دونوں بحیثیت انسان مختلف نکتہ نظر کے حامل ہو سکتے ہیں، اور دونوں میں اختلاف واقع ہو سکتا ہے لیکن جب یہ نوبت پیش آئے تو زیردست کو چاہیے کہ وہ سرپرست کے سامنے اپنی رائے مع دلیل پیش کرے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے علم کے مطابق جب کشتی میں سوراخ کیا تو حضرت موسی علیہ السلام کی رائے مختلف تھی تو آپ نے اعتراض مع سبب پیش کیا اور کہا:

﴿أَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا○﴾[29]

ترجمہ: موسیٰ بولے: ارے کیا آپ نے اس میں چھید کر دیا تاکہ سارے کشتی والوں کو ڈبو ڈالیں؟ یہ تو آپ نے بڑا خوفناک کام کیا۔

حضرت خضرؑ کی طرف سے کیے گئے غیر معمولی افعال پر حضرت موسیٰؑ نے فوری ردعمل دیا، مگر حضرت خضرؑ نے انہیں تحمل اور صبر کی تاکید کی، تاکہ وہ نتائج کا انتظار کریں۔ ایک سیاسی راہنما (سرپرست) کے لیے ضروری ہے کہ وہ تحمل سے اپنے زیردستوں کے اقدامات کو سمجھے اور فوراً فیصلے نہ کرے۔ زیردست راہنما کو بھی اپنے راہنما کی حکمت عملی کا احترام اور صبر سے انتظار کرنا چاہیے۔

---

[27] الکہف: 60، 61

[28] الکہف: 68، 69

[29] الکھف: 71

ہ- سرپرست اور زیردست کے مابین اختلاف:

قصہ موسیٰ وخضر علیہما السلام سیاسی راہنما کے لیے یہ سبق فراہم کرتا ہے کہ اختلافات کے باوجود، ایک سرپرست کو اپنے زیردست کی صلاحیتوں کو تسلیم کرنا چاہیے، اور باہمی اعتماد اور صبر کے ساتھ فیصلے کرنے چاہئیں۔ اسی طرح، زیردست کو بھی اپنے سرپرست کی حکمت کو سمجھنے اور احترام کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے نکتہ نظر مع دلائل بیان کیا اور جدائی کا اعلان کرتے ہوئے کہا: قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَ بَيْنِكَ ج[30]

و- ظاہر اور باطن کی پیچیدگیاں:

قصہ میں تین واقعات (کشتی کا نقصان، لڑکے کا قتل، اور دیوار کی تعمیر) ایسے ہیں جو ظاہراً غلط لگتے ہیں مگر ان کے پیچھے خدائی حکمت تھی۔ سیاسی رہنما کو بھی ہمیشہ ظاہر پر نہیں جانا چاہیے بلکہ معاملات کی گہرائی میں جاکر فیصلے کرنے چاہئیں۔ زیردست سیاسی رہنما کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی قیادت کے فیصلوں کو ہر حال میں سمجھنے کی کوشش کرے، چاہے وہ ظاہری طور پر قابل فہم نہ ہوں۔

ز- اعتماد اور مشاورت:

حضرت موسیٰؑ اور خضرؑ کے درمیان اختلافات کے باوجود، دونوں نے ایک دوسرے کی بات کو سنا اور اسے سمجھنے کی کوشش کی۔ سرپرست سیاسی رہنما کو اپنے زیردست رہنما پر اعتماد کرنا چاہیے اور مشاورت کا ماحول پیدا کرنا چاہیے۔ زیردست کو بھی اپنی قیادت کی حکمت عملی کو چیلنج کرنے کی بجائے اعتماد کا اظہار کرنا چاہیے۔

ح- حدود کا ادراک:

قصے کے اختتام پر حضرت خضرؑ حضرت موسیٰؑ سے کہتے ہیں کہ وہ اب مزید ساتھ نہیں چل سکتے کیونکہ ان کے علم اور حکمت کی حدود مختلف ہیں۔ اسی طرح ایک سیاسی سرپرست اور زیردست کے درمیان بعض اوقات فکری اختلافات یا حکمت عملی میں تضاد آسکتا ہے، اور یہ سمجھنا ضروری ہے کہ کب اپنی راہیں جدا کرنی ہیں یا ذمہ داریاں بانٹنی ہیں۔

اس واقعہ میں ضمناً بیان ہونے والے سیاسی راہنما کے اوصاف درج ذیل ہیں:

ط- بڑوں کے اختلاف پر خاموشی اختیار کرنا:

حضرت موسی علیہ السلام کا شاگرد بھی آپ کا رفیق سفر تھا اور اس قصے کا بغور مطالعہ کیا جائے تو وہ ایک اور اہم پہلو عیاں کرتا ہے کہ جب بھی حضرت موسی وخضر علیہما السلام کے درمیان اختلاف ہوا تو اس عظیم شاگرد نے ہر موقع پر مودبانہ خاموشی اختیار کر کے راہنماؤں اور ان سے عقیدت رکھنے والے کارکنان کو یہ درس دیا ہے کہ وہ بھی بڑوں کے درمیان اختلاف واقع ہونے پر زبان بندی کو شیوۂ ادب سمجھیں۔

ي- یقینی نقصان پہنچنے کی صورت میں حکمت کے اصول پر عمل کرنا:

کسی شخص یا قوم کو یقینی علم کی بنیاد پر بڑے نقصان سے بچانے اور اس کی ذمہ داری اپنے سر لیتے ہوئے چھوٹے اور عارضی نقصان میں مبتلا کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ جیسا کہ اصولی قاعدہ بھی ہے کہ جب دو نقصان دہ چیزوں میں سے کسی ایک کا اختیار کرنا لازم ہو تو کم نقصان والی چیز اختیار کی جائے۔[31] حضرت خضر علیہ السلام نے بھی کم نقصان والی چیزوں کو حکمت الٰہی سے اختیار کیا۔

ک- قضاوقدر پر صبر کرنا:

کسی چیز کے قبل از وقت ضیاع پر کف افسوس کرنا کم حوصلے کی نشانی ہوتا ہے۔ لیکن اگر اسے خالق حقیقی کی طرف سے امتحان سمجھ لیا جائے تو باقی زندگی بخوبی گذارنا کوئی مشکل نہیں ہوتا۔ اور اللہ سے نعم البدل کی امید رکھنا مستقبل کے بڑے فیصلوں کیلیے مثبت کردار ادا کرتا ہے۔ جیسا کہ خضر علیہ السلام نے کہا کہ "اللہ نے اس بچہ کے والدین کے ساتھ بہتری کا ارادہ کیا تھا"۔[32]

---

[30] الکھف:78

[31] رازی، أبو عبد الله محمد بن عمر بن الحسن بن الحسين التيمي الرازي الملقب بفخر الدين الرازي خطيب الري، مفاتيح الغيب = التفسير الكبير، (الناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت الطبعة: الثالثة - 1420 ھ- ج21، ص490

[32] الکہف:81

4۔ قصہ ذوالقرنین سے سیاسی راہنما کے اوصاف:

یہ قصہ چونکہ ذوالقرنین کے متعلق استفسار کی وجہ سے نازل ہوا۔ تو اس قصہ میں قریش مکہ کو ذوالقرنین کی تاریخ بتانے کی بجائے ان کی زندگی کے متعلق کچھ اہم واقعات بیان فرمائے ہیں جس کے ضمن میں رشد و ہدایت کا پہلو ہے کیوں کہ قرآن مجید بنیادی طور پر کوئی تاریخی یا جغرافیائی کتاب نہیں بلکہ یہ کتاب ہدایت ہے۔[33] یہ واقعہ سورہ الکہف کی آیت 83 سے 98 تک بیان ہوا ہے۔ یہ ایک ایسے صاحبِ اقتدار کی جنگی مہمات کا قصہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اسباب و وسائل اور قوت و طاقت کی فراوانی سے نوازا تھا۔ وہ شرق و غرب کے ممالک کو فتح کرتا ہوا ایک ایسے پہاڑی درے پر پہنچا، جس کی دوسری جانب یاجوج و ماجوج تھے۔ اس بادشاہ نے یاجوج و ماجوج کا راستہ بند کرنے کے لیے اپنی قوت و طاقت اور علم و حکمت کے استعمال سے نہایت مضبوط بند تعمیر کیا۔[34] چونکہ آج کا نوجوان ہی کل کا راہنما اور حکمران ہے اور اسی نے مناصبِ ذمہ داری پر متمکن ہونا ہوتا ہے۔ جہاں اسے حکمت و دانائی، علم و عمل اور قوت و طاقت کا صحیح اور مناسب استعمال کرنا ہوتا ہے۔ یہاں اس قصے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایسے نوجوانوں کی تربیت کے لیے دو اہم اصول بیان کیے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

أ- قوانین کی پاسداری کے لیے اَسباب صرف کرنا:

یہاں ذوالقرنین کو اسباب و وسائل عطا کیے جانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس دور کے تقاضوں کے مطابق اس کی سلطنت ہر لحاظ سے خود کفیل اور مضبوط تھی۔ جہاں انہیں اقتدار کی نعمت عطا کی گئی تھی وہیں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی بھلائی و بہتری کے لیے اپنے اس بندے کو وسائل و اسباب سے بھی خوب نواز رکھا تھا، تاکہ مخلوق الٰہی کی ضرورتوں اور حاجتوں کو اللہ کی عطا کی گئی نعمتوں سے پورا کیا جائے اور اس ضمن میں اسے کوئی مشکل پیش نہ آئے۔ یہ بات بڑی غور طلب ہے کہ ذوالقرنین اس قوم کے پاس پہنچے جو ظلم و ستم اور بے راہ روی کا شکار ہو چکی تھی، وہ لوگ اپنی سیاہ کرتوتوں کے باعث سزا کے مستحق ہو چکے تھے۔ ذوالقرنین نے سزا دینے سے پہلے ضروری خیال کیا کہ اتمام حجت کے لیے، ایک نظام العمل دیا جائے تاکہ اس دستور کے بعد، اگر کسی نے حکم عدولی کی، تو وہ عذاب کا مستحق ہو گا۔ حقیقی سیاسی صلاحیت کا حامل سیاسی راہنما وہ ہوتا ہے جو ڈرانے سے پہلے قوم کو جملہ خرابیوں کا ایک حل تجویز کرتا ہے، اور انہیں ایک باضابطہ نظام دیتا ہے، جس پر عمل پیرا ہو کر قوم کامیابی سے ہم کنار ہو سکے۔[35] جب ذوالقرنین کو دو اختیار دیے گئے تو انہوں نے جو کچھ قوم سے کہا اُسے قرآن مجید یوں بیان کرتا ہے:

﴿وَ اَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ِالْحُسْنٰى ۚ وَ سَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا یُسْرًا﴾[36]

ترجمہ: اور جو شخص ایمان لے آئے گا اور نیک عمل کرے گا تو اس کے لیے بہتر جزا ہے اور ہم (بھی) اس کے لیے اپنے احکام میں آسان بات کہیں گے۔

دوسرے لفظوں میں جو صاحب ایمان ہو گیا، امن کا پیکر بن گیا اور اپنی زندگی کو سنوار گیا، وہ اگر اعمالِ صالحہ بجالائے گا تو اس کے لیے جہاں اس دنیا میں آسانیاں ہوں گی، اسے عہدے، مرتبے، عزت اور سربلندی ہو گی، وہاں آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایسی لازوال نعمتیں مہیا فرمائے گا، جس کا دنیا کی زندگی میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی شرط یہ ہے کہ وہ دنیا میں زہد و تقویٰ اختیار کرے اور سوز و گداز کا پیکر ہو جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصلاح احوال کے لیے سب کو ایک ہی چھڑی سے نہیں ہانکا جاتا، بلکہ عدل اور انصاف پر مبنی نظام قائم کیا جاتا ہے۔ اگر ظالم کو انجام تک پہنچاتے ہیں تو اگر کوئی معافی مانگنے آ جائے اس کے ساتھ دستور کے مطابق رعایت بھی دی جائے گی۔ چنانچہ حقیقی راہنما وہ ہوتا ہے جو صرف مرض کو نہیں دیکھتا، بلکہ مرض کی تشخیص کر کے اس کا شافی علاج بھی کرتا ہے اور شفایابی کے حصول تک اس کی مسیحائی بھی کرتا ہے۔

البتہ تلقین مسلسل اور دعوتی اَسباب کے استعمال کے باوجود افرادِ قوم کو اخلاق اور قانون کا پاسدار بنانے کے لیے سختی کا اختیار بھی استعمال کیا گیا۔ جسے قرآن حکیم نے یوں بیان فرمایا:

---

[33] البقرہ:185

[34] الیمني، محمد بن علي بن محمد بن عبد الله الشوكاني، فتح القدير، (الناشر: دار ابن كثير، دار الكلم الطيب- دمشق، بيروت الطبعة: الأولى- 1414 ھ-)، ج6، ص337تا338

[35] قادری، حسن محی الدین، وحدت و اجتماعیت اور ہماری تحریکی زندگی، (لاہور: منہاج القرآن پرنٹرز، 2017)، ص82

[36] الکہف:88

﴿قَالَ اَمَّا مَنۡ ظَلَمَ فَسَوۡفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكۡرًا﴾

ترجمہ: ذوالقرنین نے کہا: جو شخص (کفر وفسق کی صورت میں) ظلم کرے گا تو ہم اسے ضرور سزا دیں گے، پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا، پھر وہ اسے بہت ہی سخت عذاب دے گا۔

ب- غرض ولالچ سے بے نیازی:

اللہ تعالیٰ اس مقام پر بے غرض اور لالچ سے بے نیاز قائد کی نشانی بتاتا ہے۔ وہ ذوالقرنین کی اسی بات سے عیاں ہے:

﴿قَالَ مَا مَكَّنِّىۡ فِيۡهِ رَبِّىۡ خَيۡرٌ فَاَعِيۡنُوۡنِىۡ بِقُوَّةٍ اَجۡعَلۡ بَيۡنَكُمۡ وَ بَيۡنَهُمۡ رَدۡمًا﴿﴾اٰتُوۡنِىۡ زُبَرَ الۡحَدِيۡدِ‌ؕ حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى بَيۡنَ الصَّدَفَيۡنِ قَالَ انْفُخُوۡا‌ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوۡنِىۡۤ اُفۡرِغۡ عَلَيۡهِ قِطۡرًا﴿﴾فَمَا اسۡطَاعُوۡۤا اَنۡ يَّظۡهَرُوۡهُ وَ مَا اسۡتَطَاعُوۡا لَهٗ نَقۡبًا﴿﴾﴾[37]

ترجمہ: (ذوالقرنین نے) کہا: مجھے میرے رب نے اس بارے میں جو اختیار دیا ہے (وہ) بہتر ہے، تم اپنے زورِ بازو (یعنی محنت و مشقت) سے میری مدد کرو، میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنادوں گ۔ تم مجھے لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لادو، یہاں تک کہ جب اس نے (وہ لوہے کی دیوار پہاڑوں کی) دونوں چوٹیوں کے درمیان برابر کردی تو کہنے لگا (اب آگ لگاکر اسے) دھونکو، یہاں تک کہ جب اس نے اس (لوہے) کو (دھونک دھونک کر) آگ بناڈالا تو کہنے لگا: میرے پاس لاؤ (اب) میں اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈالوں گا۔ پھر ان (یاجوج اور ماجوج) میں نہ اتنی طاقت تھی کہ اس پر چڑھ سکیں اور نہ اتنی قدرت پا سکے کہ اس میں سوراخ کردیں۔

ذوالقرنین نے ان سے کہا کہ مجھے میرے رب نے بہت نوازا ہے، مجھے تم سے کوئی لالچ نہیں، تم مال وزر کی بجائے اپنے زورِ بازو سے میری مدد کرو، مجھے تمہاری طرف سے حوصلہ مندی، محنت و مشقت اور کچھ کر گزرنے کا حوصلہ چاہیے، کیونکہ جو قوم محنت و مشقت سے عاری ہو جائے تو ذلت و رسوائی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

ج- ذاتی ضرورت پر قومی ضرورت کو ترجیح دینا

ایک طرف وہ قوم ہے جو بات سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی اور دوسری طرف قیادت کو دیکھیں کہ ایک کند ذہن اور کم صلاحیت رکھنے والی قوم سے وہ ایک عظیم دیوار بنوا رہے ہیں۔ قیادت وہ ہوتی ہے جس کے سامنے جو بھی قوم دے دی جائے، اس سے کام لے لیں، بشرطیکہ اس کے پاس حیا کا علم ہو، وفا کا علم ہو، دوستی ہو، ساتھ چلنے اور آگے بڑھنے کا ارادہ ہو، پھر انقلاب بھی آ جاتا ہے، اور نظام بھی تبدیل ہو جاتا ہے، جس سے سلامتی، آسودگی، معاشی و معاشرتی اور سیاسی استحکام تہذیب و تمدن اور فلاح و بہبود بنیادیں مضبوط ہو جاتی ہیں۔

أ- ذوالقرنین کی انتظامی استعداد اور شمولیت:

اس قوم میں قیادت، نظام، بصیرت اور منشور کی کمی تھی، وہ فہم، شعور اور عقل سے بھی لابلد تھے۔ اب یہاں ذوالقرنین کی حکمت اور دانائی شروع ہوتی ہے، انہوں نے کہا:

﴿اٰتُوۡنِىۡ زُبَرَ الۡحَدِيۡدِ‌ؕ حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى بَيۡنَ الصَّدَفَيۡنِ قَالَ انْفُخُوۡا‌ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوۡنِىۡۤ اُفۡرِغۡ عَلَيۡهِ قِطۡرًا﴿﴾﴾[38]

ترجمہ: تم مجھے لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لادو، یہاں تک کہ جب اس نے دونوں چوٹیوں کے درمیان والے حصے کو برابر کردیا تو کہنے لگا: (اب آگ لگاکر اسے) دھونکو، یہاں تک کہ جب اس نے اس (لوہے) کو (دھونک دھونک کر) آگ بناڈالا تو کہنے لگا: (اب) میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ جو میں اس پر ڈالوں گا۔

مفسرین نے بیان کیا کہ وہ لوہے اور تانبے کے ٹکڑوں تک کو نہیں جانتے تھے، چنانچہ ذوالقرنین نے لوہے اور تانبے کے ٹکڑوں کے حصول کے لیے پورا نظام وضع کیا، اور پوری قوم کو اس میں مہارت دی، اور مقصد کی خاطر تمام افراد سے معاونت لی یعنی انہیں بھی شریک کار رکھا تاکہ شمولیت کے ذریعے احساس ذمہ داری باقی رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سیاسی راہنما کا کام افرادی قوت کو تیار کرکے ان کی تربیت کرنا ہے، ان کے لیے نظام وضع کرنا اور ہر مرحلے پر ان کی راہ نمائی کرنا ہوتا ہے۔ دوسرے

---

[37] الکہف: 95 تا 97

[38] الکہف: 96

لفظوں میں ہر کارکن کو اس کی صلاحیتوں کے مطابق استعمال کیا جائے، تاکہ جب سب کچھ تیار ہو جائے، تو پھر اپنی صلاحیتوں پر اترائے نہیں بلکہ عرض کرے یہ سب میرے رب کی جانب سے رحمت ہے، عجز و انکساری کا پیکر بنے۔[39]

د۔ جدید ٹیکنالوجی اور علم و فن کی مہارت کا عوامی مفاد کے لیے استعمال:

ذوالقرنین کے پاس اس وقت کی جدید ترین ٹیکنالوجی موجود تھی اور مال و متاع بھی کثرت سے تھا اس لیے آپ نے لوگوں سے یاجوج وماجوج کے فتنہ کے دفاع میں ایک دیوار بنائی جس میں اس نے اپنے وقت کی جدید ٹیکنالوجی استعمال کرتے ہوئے لوہا اور تانبا پگھلا کر ایک ایسی دیوار کھڑی کر دی جس سے لوگ یاجوج وماجوج کے شر سے محفوظ ہوئے۔ صاحب اقتدار کو چاہیے کہ وہ عوام کی فلاح و بہبود میں اپنے مالی، علمی اور سائنسی وسائل کو استعمال کرے اور عصر حاضر میں ظہور شدہ جدید طرق شر اور فتن سے حق کا دفاع کرتا رہے۔

5۔ نتائج تحقیق:

درج بالا بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی وانتظامی امور پر فائز راہنما اصولی طور پر:

1۔ یقین کامل، ایمان کی حفاظت، رزق حلال کے لیے کوشاں، نرم مزاج، تنظیمی ذمہ داریوں کی انجام دہی والا، اللہ کی تقسیم کو تسلیم کرنے والا، دنیا کی اصل حقیقت جاننے والا، خود احتسابی والا، علم و فن میں ہر وقت بہتری اور سعی کرنے والا، جدید ٹیکنالوجی میں ماہر اور مہارت فراہم کرنے والا، مفادِ عامہ میں مہارتوں کو صرف کرنے والا، اپنے ایمان کے ساتھ ساتھ جسم جان اور ملک وسلطنت کی حفاظت کے لیے تمام اَسباب صرف کرنے والا اور لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے ہر وقت تیار رہنے والا ہو۔

2۔ جبکہ ایک اچھا قائد کبھی بھی اپنے اندر شرک، ذخیرہ اندوزی، مال و دولت پر اترانے، غریبوں کو زلیل ورسوا کرنے جیسی قبیح عادتیں نہیں رکھتا۔

---

[39] قادری، حسن محی الدین، وحدت واجتماعیت اور ہماری تحریکی زندگی، (لاہور: منہاج القرآن پرنٹرز، 2017)، ص91